خدوخالِ اقبال

چند اجمالی نکات بہ طور تبصرہ از مدیر

خدوخالِ اقبال ۔ از جناب محمد امین زبیری ۔ ناشر: خسروی ، ناظم آباد ، ۴/۶-ڈی-۲ کراچی (۱۰۶)
صفحات: ۱۷۶ ، قیمت: دبیز سرورق کے ساتھ ۵۵/- روپے

اقبال ایک ایسی شخصیت تھی اور اس کتاب کے مباحث اتنی اکساہٹ دلاتے ہیں کہ اگر ترجمان القرآن کے صفحات اجازت دیتے تو ایک تنقیدی مقالہ لکھ دیتا۔ اب مختصر راے بہ صورت چند نکات عرض کرتا ہوں:۔

۱۔ جناب مؤلف کے متعلق میرا مطالعہ یہ ہے کہ انھوں نے ادب کی مثبت خدمات سے بڑھ کر ادب نگاروں کے حق میں منفی کارنامے انجام دیئے ہیں۔ (بحوالہ تکبیر کراچی) یعنی لعبد ادب میری ناقص رائے یہ ہے کہ ذہنیت صحت مندیا کم سے کم متوازن نہیں۔

۲۔ اقبال ایک ایسا شاعر ہے جو تخیل کی روحِ جبریلی کے ساتھ بالعموم بہت اونچے آفاقی پرواز میں رہتا ہے۔ کبھی کبھار اس کی پرواز بلند کی برقی لہر ٹوٹتی ہے تو وہ زمین پر بھی آجاتا ہے۔ ریت کے کسی تودے پر، کسی سرکنڈے کے قریب، کسی چٹان کی نوک پر، کسی جھیل کے کنارے وغیرہ۔

محمد امین زبیری صاحب نے ایسے ہی مقامات پر اتفاقاً چند لمحوں کے لیے آنکلنے کو غور و فکر کا اصل محور سمجھ لیا۔ اور پھر یہ سوچنا شروع کیا کہ اگر کسی شخص کے کسی دور میں کمزوری کا کوئی لمحہ آجائے تو پھر اس کی ساری بلند پروازیاں ، اس کے معرکے ، اس کا آخری بازی تک مار لے جانا بالکل بے معنی ہے۔

۳۔ محمد امین زبیری صاحب اگر اقبال یا ملّت کے خیرخواہ ہوتے تو وہ اس بات کا خیال رکھتے کہ عین وہ زمانہ جب کہ پاکستان کی علامت و دلیل بننے والی ہر چیز کو عالمگیر قوتوں کے شعوری اور

غیر شعوری آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور جو پاکستان کی نظریاتی اساس کو ملیامیٹ کرنے اور لایعنی بنانے کے درپے ہیں ـــ مثلاً اُردو کے قومی زبان ہونے کے خلاف جھگڑے، صوبوں اور (STATES) کے ایک ہونے اور محکم نظامِ وفاق کے خلاف جھگڑے، قراردادِ پاکستان پر بحثیں، اسلام اور قانونِ شریعت کے خلاف شور و غل اور ازاں جملہ اقبال کے خلاف طرح طرح کی نکتہ آرائیاں، کیونکہ وہ آنے والے اسلامی دَور کا رجز خواں اور پاکستان کا علمبردار بنا۔ ایک گروہ نے پہلے تو اقبالؒ کو اس کے مقام سے گرانا چاہا۔ پھر یہ ثابت کرنا چاہا کہ اقبالؒ تو سوشلسٹ تھا اور ہمارا ہی نغمہ الاپ رہا تھا، ناکام ہونے کے بعد ایک بار پھر اقبال پر متفرق حملے ـــ فن پر بھی ـــ مذہبیت کو شاعری میں لا گھسیڑنے پر بھی، اور ذاتی زندگی کی وہ کمزوریاں بھی جس کو زبیری صاحب نے تازہ کیا ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ آج کل جب کہ نظریۂ پاکستان سے تعلق رکھنے والی ہر چیز کی طرح اقبال پر بھی لادین، کمیونسٹ، قادیانی، انحراف پسند، تجدد کار وغیرہ سارے ہی حلقوں کے دانشور حملہ آور ہیں۔ ابنِ زبیری کے ناشر کو اس مرحلے میں اگر اقبالؒ پر وار کرنے کی سوجھی تو کیا صرف اس لیے کہ اس کارِ خیر میں حصّہ ادا ہو جائے۔

۴ ـــ الزامات میں سے ایک اقبال کی شادیوں اور اولاد وغیرہ کا حصہ ہے۔ پوری طرح صفائی بیان کرنے کے لیے مکمل معلومات میرے پاس جمع نہیں ہیں، مگر میں یہ جانتا ہوں کہ ہمارے معاشرے میں ـــ خصوصاً وہ دَور جس کی بات ہو رہی ہے ـــ عائلی اور ازدواجی زندگی کا آغاز و انجام بڑے عجیب و غریب طریقوں سے ہوتا تھا۔ بن پوچھے اور بن جانے لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کو غائبانہ قبول کرتے تھے، کبھی گاڑی بخوبی چلتی تھی اور کبھی پٹڑی سے اُتر جاتی۔ رہا مالی معاملہ تو اس وقت ریکارڈ پر جتنی رقوم کا آفتاب اقبال کو دینا اور دے کر دینا ثابت ہے وہ آج کے معیار سے دیکھیں تو بہت بڑی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ ثابت کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں ہے کہ انہوں نے دوسری بیوی کو کبھی مالی سہارا بہم نہ پہنچایا ہو۔

۵ ـــ پھر ایک سوال ویگے ناسٹ اور رعطیہ کا چھیڑا گیا ہے اور یہ مخالفین کے پاس بہت بڑا الزام نامہ رہا ہے۔ مگر انہوں نے چند حقائق پر غور نہیں کیا۔ کسی شخص کے دل میں جنسِ مخالف

کے کسی فرد کے متعلق محض کسی فطری خیال یا جذبے کا پیدا ہونا نہ شرعاً اور اخلاقاً جرم ہے اور نہ اچھے اور بُرے خیالوں کے قافلوں کو لمحہ بہ لمحہ دماغ میں داخل ہونے سے کوئی بشری قوت روک سکتی ہے۔ اعتراض تب اٹھتا ہے جب اُس کے اظہار اور عملی اقدام سے بُرائی ظاہر ہوتی ہو۔ اقبال جیسا صحت مند اور ذہین مشرقی نوجوان یک دم اُٹھا کر اِس آزمائش کی بھٹی میں ڈال دیا گیا کہ برابر کی ذہین اور ماڈرن اور بے باک خواتین گھیرے میں لیے ہوئے ہیں۔ اب اس نوجوان کا یہ کمال دیکھیے کہ وہ کہیں اظہارِ مدعا میں دینی اخلاق یا مروجہ تہذیبی شائستگی کے لحاظ سے ایک انچ آگے یا پیچھے نہیں ہوتا۔ زیادہ تر فدائیت دوسری جانب سے ہے اور یہی چیز اقبال کی آگ کو تیز کرنے کا ذریعہ ہے۔ مگر حرفِ تمنا کے سیلِ ضبط کو ایک سوئی کے سرے سے روک رکھا ہے۔ آپ کوئی گری ہوئی حرکت کرتے ہوئے اسے نہیں دیکھتے، یہاں تک کہ ایک پرائیویٹ ڈائری کے اوراق کے علاوہ آپ اس کی پوری شاعری کی اُٹھان اور اُڑان میں فرق آتا نہیں دیکھتے۔ وہ اپنی شاعری کا محور کسی حالت میں بھی اپنے ناکام جذبہ محبت اور ویگے ناسٹ اور عطیہ کے بُتانِ حُسن کو نہیں بناتا۔ بعد کی شاعری کو تو چھوڑیئے، بانگِ درا ہی کو پڑھیے، دو چار شوخ اشعار کے علاوہ ساری کتاب آپ کو پاکیزہ شاعری کا مجموعہ ملے گی اور اس میں احیائے اسلام کا وہ جذبہ اور ملت کے ظہورِ ثانی کا وہ ولولہ بھی آپ کو پھیلا ہوا نظر آئے گا جو آگے چل کر ان کے کلام کی رُوح بن گیا۔ یہ ہے اقبال کا کمال کہ عالمِ سفلی کے نظر فریب جلوؤں میں گھرنے کے باوجود وہ اپنی اس متاعِ پیغام کو بچا لیتا ہے جسے وہ قوم کے واسطے سے دُنیائے انسانیت تک پہنچانا چاہتا ہے۔ ورنہ اگر اس کی شاعری جنسیت کے اسرار و رموز میں ڈوب جاتی اور اس کا تخیل کسی عورت کے مجسمۂ تصوری کے گرد طواف کرتا رہ جاتا تو اُس کی شاعری میں کونسی غیر معمولی قدر و قیمت ہوتی۔ میں تو داد دیتا ہوں کہ اقبال نے خواہشاتی دُنیا کی دیو پیکر اور جادوگر قوتوں سے جنگ لڑی اور وہ اس میں کامیاب ہو کر اُفق تا اُفق خودی کے نُور کا پیغام پھیلانے والا مشعل بردار شاعر بنا۔ اس میں اعتراض کی کیا بات ہوئی؟

۶۔ میرا ذاتی نقطۂ نظر تو یہ ہے کہ اگر وہ جنسی کامیابی کے گرداب میں گھِر جاتا تو شاید ہم

اُس عظیم اقبال کو نہ پا سکتے جو ہمارے لیے سرمایۂ فخر ہے۔ مَیں کبھی کبھی یوں بھی سوچتا ہوں کہ بعض خاص شخصیتوں کو نظامِ تکوین و تقدیر ان کی زندگی کی کسی قدر پست مگر جذباتی طور پر ہیجان خیز آرزوؤں میں ناکام کر کے بھی اُن کی قوتوں کے دھارے کو پھر پورے طور پر اس نصب العین کی جانب موڑ دیتا ہے جو پہلے سے بھی ان کی نگاہوں میں رچ بس تو چکا ہوتا ہے، مگر کسی دوسری رنگین آرزو کی کشش اس چاند کے لیے گہن بھی بن سکتی ہے یا کم سے کم بڑے نصب العین کی لے کا زور ضرور ٹوٹ جاتا ہے۔ دُنیوی زندگی میں اگر ناکامیٔ آرزو نہ ہوتی تو نفسانی آرزوؤں سے بلند تر کسی اعلیٰ مقصد کے لیے شاذ ہی کوئی شخص خدمت گر ہو سکتا۔ اقبال کے لیے نفسانی سطح پر ناکامیٔ آرزو کا ایک ایسا زخم ضروری تھا جو مسلسل ٹیسیں دیتا رہے اور اقبال اس قابل ہو سکے کہ ایک ٹھوس نظامِ حقیقت کو سوز و ساز کے ساتھ پیش کر کے دل نشیں بنا سکے۔ چنانچہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قریبی دَور کا مغربی ادب اور اس کی نقالی میں تشکیل پانے والا اُردو ادب جس کا مزاج سیکولر بنا دیا گیا ہے اور جس کو مذہب کی پرچھائیں تک سے بچانے کی کوشش کی گئی ہے، اس کو اقبال نے اس شان سے ٹھوس اسلامی حقائق کو اُٹھانے کے قابل بنایا اور اس غرض کے لیے پتھروں کو پگھلا پگھلا کر گلاب کی پتیوں میں تبدیل کیا کہ جن لوگوں نے اقبال کی شاعری کے اصل سرور کو پا لیا، ان کی نگاہوں میں پھر کوئی دوسرا شاعر کبھی جچ نہ سکا۔ اگرچہ متعدد حضرات کی یہ خواہش رہی کہ انھیں اقبال کے طے کردہ جادۂ فن و معانی سے آگے کا سفر کرنے والا شاعر مانا جائے یا کم از کم اس کے برابر سرابر تو قرار دیا جائے ـــــ اور اس کے لیے بعض اشخاص اور اداروں نے زور بھی لگایا، مگر بات بن نہ سکی۔ آخرالامر ایسے لوگ " انگور کھٹے ہیں" کے معنوں میں یہی کہتے رہ گئے کہ اقبال بڑا رجعت پسند ہے۔

میرے سامنے ایسے کئی دوسرے شعرا ہیں جنھیں جنسی کامیابیاں یا تو یاوہ گوئی اور لغو نگاری کی طرف لے گئیں، یا ناکامیاں انھیں مایوسی اور ترکِ خدا و مذہب کے جہنم کی طرف اغوا کر کے لے گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے اقبال کو دونوں بلاؤں سے محفوظ رکھ کر ملّت کے لیے حیاتِ نو کا نقیب

اور انسانیت کے لیے فلاح وسعادت کا علمبردار بنایا۔

۷۔ اقبال کے مخالفین نے جو مختلف طریقہ ہائے واردات اس کے خلاف صرف اس لیے استعمال کیے ہیں کہ لوگوں کے دلوں سے اس کی وقعت ختم کر کے نئے جھنڈے گاڑے جا سکیں یوں تو وہ بہت ہیں اور ان کی بڑی تفاصیل ہیں۔ مگر ایسے چند حملوں پر تبصرہ کے طور پر میں نے ایک مضمون لکھا تھا " اقبال کو قاتلوں سے بچاؤ" پمفلٹ کی صورت میں چھپا۔ اب اگر کوئی مجموعہ تیار ہو سکا تو اس میں شامل کرنے کا ارادہ ہے۔ حملوں کا سلسلہ جاری ہے۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر سلیم صاحب ماہر نفسیات نے اقبال کا نفسیاتی تجزیہ کیا تھا اور میں نے جواباً خود مؤلف کا نفسیاتی تجزیہ کر کے دکھایا۔ بد قسمتی سے میں نے جو اقبال کے متعلق لکھا بہت مشکل ہے کہ وہ کتابیات یا مقالات کی کسی فہرست میں شامل ہو۔ یہ بھی ایک سزا ہے۔

۸۔ جہاں تک علامہ کے مالی معاملات پر اعتراض اُٹھانے کا تعلق ہے۔ بلاشبہ ان کے خیالات کی بلندی کے سامنے ان کے حوصلوں کی پستی سامنے آتی ہے، مگر ہر صورت واقعہ کو اس کے محل اور ماحول کے ساتھ ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ اقبال کا آدرش یہی تھا کہ انسان کو ایک طرح کی حالتِ فقر ہی میں سادہ زندگی گزار دینی چاہیے۔ اس لیے کمانے کی عمر میں انھوں نے زور شور سے کمائی نہیں کی۔ بارہا بعض مفاد سے بے اعتنائی برتی، معاملات کو اپنی شرائط کے تابع رکھنا چاہا۔ لیکن بعد کی عمر میں جب اقبال "خستہ و بیمار و پیر" تھا۔ تو اس کے سامنے اہل و عیال اور خاندان کی ضروریات تھیں۔ خود اپنے دو عزیز بچوں کے لیے پہلے تعلیم اور پھر ازدواج کے لیے مصارف درکار تھے۔ اُدھر دَور بیماری کا تھا اور بیماری دولت کھاتی ہے۔ بھوپال کے قیام میں وہ قرآن کے متعلق کام کرنے کا خاکہ بناتے رہے۔ پھر وہاں بیماری کا حملہ ہوا۔ ان حالات پر زبیری مرحوم نے بلیک میلنگ کی پھبتی کسی ہے جو زیادتی ہے۔

ابن زبیری صاحب اور خسروی صاحب دونوں کو شاید اس قسم کی آزمائش کا تجربہ نہ ہو۔ جب آدمی اس میں گھر جاتا ہے تو ایک طرف خود اس کے اپنے احساسات کام کر رہے

ہوتے ہیں، دوسری طرف گھر کے افراد اور خاندان کے خیر خواہ ان احساسات کا بوجھ صبح و شام بڑھاتے رہتے ہیں۔ اُدھر ایک بوڑھے آدمی کے لیے احساسات کا اتنا بھاری بوجھ اُٹھانا مشکل تر ہوتا جاتا ہے۔ اور بیمار آدمی کے لیے یہ مشکل ہوتا ہے کہ وہ کوئی کاروبار یا محنت مزدوری شروع کر دے۔ مفکر اور شاعر آدمی کی پیچیدگی یہ ہوتی ہے کہ اس کی فکر اور شاعری اس کو اپنے دائرے سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس طرح ایک ایسی صورتِ اضطرار پیدا ہو جاتی ہے کہ آدمی مجبور ہوتا ہے کہ جدھر بھی ہاتھ پاؤں مارے جا سکتے ہوں مارے جائیں ـــــ اور اس امر کی ترغیب اس کے احوال کے رازداں دوست احباب صبح و شام دلاتے ہیں۔ خودی، غیرت، بے نیازی اور فقر کی تعلیم دینے والا کوئی بھی بڑے سے بڑا شخص ایسے چکر میں پڑ جانے کے بعد ایسا اقدام کر سکتا ہے، جو شرعاً حرام تو ہے نہیں مگر خود اس کی اپنی پسندیدہ اُصولی معیاریت کے مطابق نہیں ہے۔ سو یہ عملی زندگی کی وہ مجبوریاں ہیں جن کا اندازہ اہلِ تجربہ و مشاہدہ ہی کو ہو سکتا ہے اور اس قسم کی اضطراری کوتاہیاں آدمی کے فلسفیانہ فکری یا دینی اُصولوں کی نفی نہیں کرتیں۔ ان سے زیادہ سے زیادہ نتیجہ یہی نکل سکتا ہے کہ کاش کہ زیرِ گفتگو آدمی اور زیادہ مضبوط نکلتا۔ مگر یہ کوئی معقولیت نہیں ہے کہ اس کے پیچھے تالیاں پیٹی جائیں۔ اور اس کا تمسخر کیا جائے اور اُسے مقامِ تحقیر پر دکھایا جائے اور اس کی ساری خدمات کی نفی کر دی جائے۔ ارے بھائی تنقید کر رہے ہو، ترازو ہاتھ میں لو، اس کی خوبیوں اور خدمات کو ایک پلڑے میں ڈالو اور کمزوریوں کو دوسرے میں اور پھر ٹھیک ٹھیک وزن کر کے صاف بتاؤ کہ کونسا پلڑا جھکتا ہے۔ ورنہ اگر عظیم شخصیتوں کے کارناموں کو ان کی ایک ایک کمزوری اور اضطرار کی وجہ سے کالعدم قرار دیا جائے تو پھر سوائے زبیری صاحب کی فکر اور ان کے ادب کے ہمارے پاس کیا رہے گا۔ اور وہ بھی صد ہا نگاہِ تعریض سے کیسے بچے گا۔

بلیک میلنگ کا الزام البتہ غلط ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ بعض کام اقبال کو کرنا مطلوب تھے اور ان کا وہ شوق رکھتے تھے، اس کا ذکر بھی انہوں نے دوسروں سے کیا۔ مگر ایسے کتنے ہی عزائم ہم سب کے ناسازگاری حالات کی وجہ سے ٹوٹ جاتے ہیں یا شروع کیے ہوئے کام نا تمام رہتے ہیں۔ انسان کو انسان سمجھ کر بحث کیجیے، کمپیوٹر سمجھ کر نہیں، اور نہ فرشتہ گردان کر۔

۹ — ممتاز شخصیتوں کا جائزہ لینے والوں کو یہ ضرور غور کرنا چاہیے کہ جہاں ان کو سربلند کرنے والی خوبیاں کام کر رہی تھیں، وہاں ان کو نیچے گرانے والی کمزوریاں بھی ان میں تھیں۔ پھر کیا وجہ ہوئی کہ ایک شخصیت کی کمزوریاں اس کو نیچے نہ لا سکیں اور اس کی خوبیاں اُس کو بلندی پر لے اُڑیں اور آج ۱۹۰۸ء سے ۱۹۸۶ء تک برابر کہکشاؤں پہ پرواز کرا رہی ہیں۔ پھر آخر ان کمزوریوں کو محدّب شیشوں سے بڑا کر کے دیکھنے کا کیا فائدہ۔ ابن زبیری اقبال نہیں بن سکتے تھے اور اقبال کسی اور شاعر کی سطح پہ نہیں آ سکتا تھا۔ تجزیہ کرنا تھا کہ اقبال بعض کمزوریوں کے باوجود بڑا آدمی کیوں بنا ہے، کیا محض پروپیگنڈے کے زور سے؟

میرا خیال ہے کہ زبیری صاحب کے جانشین کے طور پر خسروی صاحب خوبیوں والے پہلو پر زیادہ غور کریں۔ اور از سرِنو جانچ کریں اور ایک بار پھر اقبال کی قیمت مقرر کریں۔

۱۰ — اقبال ایک غلامی زدہ معاشرے میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیمی مرحلہ عیسائی مشنری درس گاہ میں طے کیا۔ پھر وہ انگریزی زبان، فلسفے، معاشیات اور قانون کے جدید علوم کے حوالے ہو گیا۔ پھر وہ ڈاکٹریٹ کرنے مغرب کی کھلی سوسائٹی میں جا پہنچا۔ اور ان مراحل سے گزر کر اگر اس نے مغرب کی ترقیات کے مقابلے میں دنیائے اسلام کی گراوٹ کو بہ شدت محسوس کر کے — تقلیدِ مغرب کے بجائے — احیائے اسلام کی دعوت کا عَلَم بلند کیا تو کوئی بُرا کام نہیں کیا۔

ہاں البتہ ایسے مفکر و شاعر کو آپ کسی مدرسے کے مفتی یا کسی جامع کے خطیب کے معیار سے ناپیں تو لیں گے تو مایوس ہوں گے۔

اقبال نے یہ شعر کہا تھا کہ ؎

نشستم با نکویانِ فرنگی
ازاں بے نور تر روزے ندیدم

پہلا شخص ہے جو مغرب کی بھٹیوں میں تپ کر نکلتا ہے اور مغرب کی بدراہی کے اسرار و رموز کو اس تفصیل و تجزیہ سے بیان کرتا ہے جس کی کوئی مثال کسی فقیہہ، خطیب اور مفتی کے ہاں نہیں ملتی۔

زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ وہ اسلامی معیار پر پورا نہ اُترتا تھا لہٰذا اُسے غیر اسلامی باتیں کہنی چاہئیں تھیں، اُسے اسلام کے خلاف شاعری کرنی چاہیے تھی، اُسے احیائے اُمت کے تصور کو فروغ نہیں دینا چاہیے تھا۔ کیا یہی منشا تھا زبیری مرحوم کا یا یہی منشا ہے زبیری کے ناشر کا۔

جو لوگ غلامی میں رہے ہوں اور جو مغربی تعلیم و تہذیب کی وادیوں سے ہو کے آئے ہوں انھیں اسلام کی خدمت کا کوئی حق نہیں، چاہے وہ ذاتی طور پر کتنا ہی مطالعہ اسلام کریں، بلکہ اُن کا فطری فریضہ یہ ہے کہ مغربی تعلیم و تہذیب کی حاصل کردہ تربیت کے مطابق بات کریں، اس سے بغاوت نہ کریں۔

۱۱- پاکستان بننے سے پہلے کے دَور میں سیکولرازم کے خلاف یا تو علمائے دین اپنے خاص طرز سے کام کر رہے تھے (جو جدید طبقوں کے ہاں معتوب بھی ہو رہے تھے)، اور یا پھر اقبال اُٹھا جو مغرب زدگان کی نگاہ میں وقعت رکھتے ہوئے مغربی فلسفہ و تہذیب کے اسلامی اصول و اقدار کا نقیب بنا۔ نتیجہ یہ ہے کہ اس شخص کے کلام نے ایک طرف عوام اور خصوصاً نوجوانوں کے لیے اور دوسری طرف اربابِ ادب و شعر کے لیے فکر و احساس کے ایسے راستے بنا دیے کہ وہ پاکستان بننے سے پہلے پہلے سیکولرازم کے طوفان کے خلاف لڑنے کے لیے تیار ہو جائیں۔ یہاں حکومتِ الٰہیہ (جاویدنامہ) کو نافذ کریں اور پھر ساری دُنیا کو اسلام کے آفاقی پیغام سے آگاہ کریں۔

ہم اپنی حالیہ تاریخ میں سے اقبال کی خدمات کے دَور کو اگر اُڑا دیں تو وہ پوری زنجیر دفعتاً ٹوٹ جاتی ہے کہ جو ہمارے مستقبل کو ہمارے ماضی سے ملاتی ہے۔ آخر اقبال کے دَور کو بے وقعت بنا دینے یا نیست و نابود کر دینے سے کیا مفید نتیجہ نکلے گا۔

۱۲- مجھے زبیری کی اس کتاب کے ان مندرجات سے اتفاق ہے جن میں اقبال کو فوق الانسانی رتبہ دینے کی کوشش کی گئی ہے اور ان کی شان میں ایسی پُرتخیل عبارات لکھی گئی ہیں کہ جن کی رَو میں پڑ کر آدمی خود اپنے آپ کو بھی بھول جاتا ہے اور علامہ اقبال کا بھی پتہ نہیں چلتا کہ وہ کیا ہیں اور کہاں جا پہنچے۔

یہ بہت تکلیف دہ صورت ہے۔ مگر اس کی ایک نفسیاتی وجہ ہے۔ اقبال نے تو یہ چاہا تھا (جیسا کہ ان کے پیغام میں نہایت واضح ہے) کہ لوگ خدا اور رسولؐ کی تعلیمات کی طرف متوجہ ہوں۔ مگر بعض لوگوں نے یہ راستہ نکالا کہ اپنے اور خدا و رسولؐ کے درمیان اقبالؒ کو حائل کر لیا۔ ساری محبتیں اور عقیدتیں اب اس شخصیت پر نچھاور کر دی جاتی ہیں۔ مقصد یہ کہ اقبال کے اشعار کا مفہوم تو یہ لوگ حسبِ منشا متعین کر سکتے ہیں، مگر خدا و رسول کے نصوص کے شکنجے میں اگر کس گئے تو پھر بڑی مشکل ہو گی۔ گویا اقبال کو سیکولرسٹوں اور آزاد منش لوگوں نے سہارا بنا لیا ہے۔

۱۳۔ علامہ اقبال کے اس رجحان کو بھی میں تسلیم کرتا ہوں کہ انہیں کسی شخص یا حکومت کی صورت میں ذرا بھی یہ امید ہو جاتی کہ اس کے ذریعے اسلام کا ابھار ہو سکتا ہے یا اس سے ملی قوت نمایاں ہوتی ہے تو اس کے دل میں بڑی کشش پیدا ہو جاتی۔ مثلاً دورِ اشتراکیت کے ابتدائی دورِ ابہام میں علامہ نے کسی سے پوچھا کہ اسٹالین کے متعلق سنا ہے کہ وہ مسلمان ہے اور اس کا نام محمد اسٹالین ہے۔ اسی طرح اگر شاہ افغانستان کو وہ تعلیمی نظام کی تیاری کرتے دیکھتا ہے یا تاجدار دکن کے دائرہ اقتدار میں کچھ تھوڑی سی اسلامی روایات اسے نظر آتی ہیں تو کچھ دیر کے لیے جھوم جاتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ اس معاملے میں اقبال ایک بچے کی طرح ہے کہ جس کو [illegible] نہ مل رہا ہو اور وہ جس [illegible] دروازے کو دیکھے اس کی طرف لپک جاتے۔ مگر اس رجحان کے باوجود اصولی طور پر اسلام کی حقیقت کو اس نے مسخ کیے بغیر پیش کیا۔

۱۴۔ یہ چند متفرق گذارشات قلم برداشتہ لکھی ہیں۔ خدوخال کی ایک ایک عبارت پر بحث نہیں کی جا سکی۔ یہ کام دوسرے لوگ کرتے رہیں گے۔